اسلام اور مغرب جدید تناظر میں

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

اکیسویں صدی کا آغاز جن واقعات سے ہوا انہوں نے اسلام اور مغرب کی تاریخی آویزش کو ایک نئی شکل دے دی اور ہر دو فریق جن خدشات، خطرات اور تنازعات کا شکار ہوئے وہ عالمی نقشہ پر بعض بنیادی تبدیلیوں کا سبب بن گئے۔ مغربی اقوام خصوصاً امریکہ کے سامراجی عزائم عملی شکل اختیار کر گئے اور مغرب کے تمام حقوق انسانی، سرحدی آزادی، ملکی خودمختاری اور امن عالم کے نام نہاد نعروں کی قلعی کھل کر سامنے آ گئی۔ مغرب کے بعض نمائندہ مفکرین نے سیاسی، سامراجی عزائم کو نئے عالمی نظام (نیو ورلڈ آرڈر) کا چوغا پہنا کر مسلم ممالک کے انرجی کے وسائل پر عسکری قوت سے قبضہ کرنے کے گھناؤنے عمل کو امریکہ کی ''قومی سالمیت کے تحفظ'' کا نام دیا۔ ۱۹۹۲ء میں امریکی مفکر سیموئل ہنٹنگٹن نے اپنے ایک مقالہ میں جس تہذیبی ٹکراؤ کے خدشہ کا اظہار کیا تھا وہ عملاً پہلے سے تحریر شدہ ایک کہانی کے خاکہ کی طرح ستمبر ۲۰۱۱ء میں افغانستان اور عراق پر یلغار کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ واقعات کے اس منطقی تسلسل نے مسلم ممالک کی غالب آبادی کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ان کے فرمانروا جس امریکہ یا مغرب دوستی کا دم بھرتے ہیں وہ کتنی کھوکھلی، ناپائیدار اور مغرب کے مفاد پر مبنی ہے۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء نے جہاں منفی تاثرات پیدا کیے وہیں خود مغرب میں اس سانحہ نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تجسّس اور حقیقت حال کو سمجھنے کی خواہش کو بیدار کیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ کے اندر امریکہ کے کتب فروشوں کے پاس قرآن کریم کے جتنے نسخے انگریزی ترجمہ کے ساتھ موجود تھے فروخت ہو گئے اور اسلام پر کتب کی بڑی مانگ پیدا ہو گئی۔ قرآن کریم نے بالکل صحیح کہا ہے کہ بعض

چیزوں سے انسان کو کراہت آتی ہے جب کہ ان میں رحمت ہوتی ہے اور بعض چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں جب کہ ان میں ضرر ہوتا ہے۔ اسلام اور مغرب کی اس تازہ آویزش نے دونوں جانب دانشوروں اور محققین کو اس نئی صورتِ حال کے تجزیہ اور اس کے پس منظر میں چھپے اسباب پر تفکر کی دعوت دی اور مغرب جو اپنے سامراجی دور سے استشراق کے زیرِ عنوان مسلم ممالک کی زبانوں، ثقافت اور تاریخ کو سمجھنے میں مصروف تھا اب اس کی اس کاوش میں مزید اضافہ ہوا۔

مکالمہ ــــ تاریخ کے تناظر میں

اگر تاریخ کے آئینہ میں اس صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے تو ساتویں صدی میلادی میں ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی قرآن کریم نے اہلِ کتاب کو دعوتِ مکالمہ دینے میں پہل کرتے ہوئے مختلف سطح پر رابطہ اور تبادلۂ خیال کی راہیں نکالیں۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک جو مختلف عیسائی و غیر عیسائی فرمانرواؤں کو لکھوائے گئے تھے انہیں engage کرنے کے اولین اقدامات کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں اور خصوصاً اہل کتاب کو بار بار دعوتِ فکر دیتے ہوئے مشترک بنیادوں پر اس مکالمہ کا آغاز کرنے کی دعوت دی۔ اس بنا پر یہ خیال کرنا درست نہ ہوگا کہ اسلام اور مغرب کا مکالمہ کوئی نئی چیز ہے۔ یہ مکالمہ اسلامی ریاست اور معاشرہ کے دورِ عروج میں بھی رہا اور مسلمانوں کے دورِ زوال بلکہ مغربی سامراج کی محکومی کے دوران بھی جاری رہا گو ہر دور کے لحاظ سے مکالمے کے دائرے اور زاویے بدلتے رہے۔

قرآنی زاویہ سے اس مکالمہ کا پہلا مقصد الہامی ہدایت کو ماننے والے مذاہب میں قُرب پیدا کرنا ہے تاکہ ایک ایسے معاشرہ کی تعمیر کے لیے جس میں اسلامی نظام نافذ ہو چند مشترک بنیادوں پر اہلِ کتاب کو معاشرتی اور عائلی تعلق کے دائرہ میں لے آیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام نے اہلِ ایمان مسلمان مردوں کو صالح اہلِ کتابیہ سے عقد نکاح کی اجازت دے کر اہلِ کتاب کے ساتھ خاندانی تعلق کے قیام کو ممکن بنایا لیکن اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ایک مسلمان خاتون کسی

اہلِ کتاب سے نکاح کر سکے۔ وجوہات بڑی واضح ہیں۔ اس طرح مادی طور پر خاندانی رشتہ تو قائم ہو جاتا ہے لیکن گھر کے تمام امور کا فیصلہ اسلامی شریعت کو تسلیم نہ کرنے والے کے ہاتھ میں رہتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ آئندہ آنے والی اولاد بھی غیر اسلامی اصولوں پر پرورش پاتی ہے جب کہ اہلِ کتابیہ سے شادی کی شکل میں گھر کا ماحول اور اولاد کی تربیت مکمل طور پر ایک صاحبِ ایمان کی سرپرستی میں ہوتی ہے۔ یہ موقع تفصیلات میں جانے کا نہیں ہے ہم صرف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان مکالمہ محض نظری سطح پر نہیں بلکہ خاندان، تجارت اور بین الاقوامی امور پر ہر سطح پر ظہورِ اسلام سے رہا ہے اس لیے Pluralism کی بات اسلام کے تناظر میں کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔

تاریخی حیثیت سے مغرب اور عیسائی دنیا کا تعلق اتنا قریبی رہا ہے کہ عموماً مغرب دوستی یا مغرب دشمنی کو عیسائی دوستی اور دشمنی سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے جب کہ مغرب نے سولہویں صدی میلادی کے بعد شعوری طور پر عیسائیت سے اپنا فاصلہ بڑھانے کے عمل ــــــ آزادیٔ رائے، جمہوریت، انفرادیت، مادیت، مثبتیت (Positivism) ــــــ کو اپنی فکری بنیاد قرار دیا اور سرمایہ دارانہ فکر کو اپنا بنیادی نظریہ اور پہچان قرار دیتے ہوئے اپنے معمولات میں ہفتہ میں ایک دن کا کچھ حصہ اپنے مذہب کے لیے مخصوص کرنے میں اپنی بھلائی جانی اور مذہب اور دیگر معاملات کے درمیان عدمِ تعلق اور فاصلہ رکھنے کو علمی اور عملی حیثیت سے اتنی تکرار کے ساتھ پیش کیا کہ دیارِ مغرب کے باہر بسنے والے افراد بھی اپنی تمام ''مذہبیت'' کے باوجود زندگی کی اس دوئی میں عملاً مبتلا ہو گئے۔

لیکن غیر مغربی معاشروں کو جب اور جہاں بھی اس خرابی کا شعور ہوا ان کے دانشوروں اور علماء و اساتذہ نے اس پہلو پر توجہ دی۔ چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں اصلاح و تجدید کی کوششوں کا بنیادی نکتہ یہی رہا کہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اللہ کی بندگی میں لایا جائے۔

یہاں صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مغرب سے مکالمہ ہو یا مجادلہ دونوں شکلوں میں

مشترک بنیادوں پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے بعض بدیہی پہلو نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ مغرب جس فکر کا ملغوبہ ہے اس کی روح ''مذہب'' کو محدود کرنے میں مضمر ہے۔ چنانچہ سیکولرازم عموماً یہ نہیں کہتا کہ خالق کائنات، انسانوں کے مالک اور رب کا مکمل انکار کیا جائے بلکہ صرف اتنی بات کہہ کر اس مقصد کو حاصل کر لیتا ہے کہ اللہ کے دائرہ کار کو مسجد، کلیسا اور ہیکل تک محدود کر دیا جائے۔ مسلمان ہو یا عیسائی یا یہودی وہ اپنے مقررہ دن اور مقررہ وقت پر اپنے عبادت خانہ میں جا کر جو چاہے کرے لیکن ہفتہ کے بقیہ دنوں میں کاروبار ہو یا سیاست، معاشرت ہو یا ثقافتی سرگرمیاں ان تمام معاملات میں ''مذہب'' کو دخل دینے کا اختیار نہ ہو۔ دین اور دنیا کی یہ تفریق مغربی ذہن اور مغربی تہذیب کی بنیاد ہے۔ اسی کو ہم لادینیت یا سیکولرازم کہتے ہیں جو لامذہبیت یا الحاد کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ لادینیت مذہب کو غیر فعال بنانے اور زندگی کو دو خانوں میں بانٹ دینے کا نام ہے یہ ذہن اور یہ فکر اگر ایک ایسے شخص کے اندر پائی جاتی ہو جو ہر جمعہ کو نماز پڑھتا ہو اور ہفتہ کے بقیہ دنوں میں سر پر نماز کی ٹوپی پہن کر اسٹاک ایکسچینج میں بازی لگاتا ہو تو اس کا نماز کی ٹوپی پہننا اور جمعہ کو باقاعدگی سے نماز ادا کرنا اسے غیر سیکولر نہیں بنا سکتا۔ سیکولرازم وہ بنیادی Infection ہے جس کے زہریلے اثرات مغربی تہذیب اور مغرب کے ہر ہر شعبہ حیات میں سرایت کر چکے ہیں اور اب یہ زہر اس کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے اس لیے مغرب خود اپنے اس اندرونی مرض کا احساس بھی نہیں کر پاتا۔

مکالمہ کی سطحیں

مغرب سے مکالمہ کی طرف بڑھتے وقت اس تاریخی پس منظر میں نگاہ دوڑائی جائے تو اسلام کا مکالمہ کم از کم چھ محاذوں یا چھ سطح (Levels) پر کرنا ہوگا۔

ان میں سب سے اول سطح تصور حیات ہے۔ یعنی مغربی تہذیب جس تصور حیات کی نمائندگی کرتی ہے اور اسلام جو تصور حیات دیتا ہے ان میں کون سی چیزیں مشترک ہیں اور کہاں پر شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ کن مقامات پر مفاہمت کی شکل کا امکان ہے اور کہاں پر کوئی تعاون نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک ان حدود کا تعین نہ کر لیا جائے مکالمہ اور مکالمہ کا تذکرہ ایک نمائش سے زیادہ نہ ہوگا۔

کسی بھی سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش کے لیے ضروری ہے کہ قواعد عمل اور موضوعات کا تعین پہلے کرتے ہوئے گفتگو کو انہی نکات تک محدود رکھا جائے۔ مغربی تصور حیات تین بنیادوں پر قائم ہے۔ اولاً انسان کی معاشی ضروریات اس کی تمام مساعی کا محرک اور کامیابی کا پیمانہ ہیں چنانچہ مادیت اور مادی ترقی زندگی کا اولین مقصد ہے۔ ثانیاً زندگی گزارنے کے لیے خوشی اور لذت کا حصول انسان کی تمام توجہات کا مرکز ہونا چاہیے چنانچہ لذیذ کھانے، تفریحی سفر، شام کے اوقات میں ثقافت کے نام پر حصول لذت وخوشی کے لیے موسیقی، ڈرامہ اور ٹاک شوز، فیشن شوز میں شرکت ایک بنیادی داعیہ اور ضرورت ہے اور ثالثاً ''مذہب'' ایک شخص کا ذاتی معاملہ ہے اس لیے مذہب کو زندگی کے دیگر معاملات میں داخل ہونے سے روکا جائے اور کائنات اور انسانی معاشرہ دونوں کو کسی الٰہی ہدایت کا پابند نہ بنایا جائے انسان اپنی ذاتی رائے اور قوت فیصلہ سے اپنے معاملات طے کرے۔ اخلاق اور مذہب ایک اضافی چیز ہے۔ انفرادیت (Individualism) یا فرد کی مکمل آزادی کہ وہ جو چاہے کرے مغربی تہذیب کی پہچان ہے۔

تصور حیات کی سطح پر اسلام ان تمام تہذیبوں سے اختلاف کرتا ہے جو مغرب میں ہوں یا مشرق میں اور جن کی بنیاد اوپر تحریر کردہ تثلیث ہو۔ اسلام انسان کو ایک اخلاقی مخلوق قرار دیتے ہوئے زندگی کے تمام معاملات عالمگیر اخلاقی اصولوں کے مطابق کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنا اور عدل نہ کرنا انفرادی سطح پر غلط ہے تو معاشرتی اور ملکی اور عالمگیر سطح پر بھی ناقابلِ قبول ہے۔ یہ وقت کے ساتھ نہ تبدیل ہوتا ہے اور نہ فرد کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید اور عقل کے مطابق سچ اور عدل کی تعریف کرلے۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد ایک ایسے خالق کے وجود پر نہیں ہے جو کائنات بنانے کے بعد کسی گوشہ میں آرام کر رہا ہو بلکہ وہ حي و قیوم (زندہ جاوید ہستی) اور عزیز و علیم (صاحبِ اقتدار و صاحبِ علم ہستی) ہونے کی بنا پر ہر لحہ اپنی مخلوق کی نگرانی اور بھلائی میں مصروفِ عمل ہے۔ وہ انسان کو اس کی ضروریات کے پیش نظر ہدایت سے نوازتا ہے اور وقتاً فوقتاً الہامی ہدایت کی شکل میں عالمگیر اخلاقی ضابطہ اور قانون دیتا ہے تاکہ معاشرہ میں عدل واخوت ورواداری قائم ہو اور لوگوں کے حقوق پر

ڈاکے نہ ڈالے جاسکیں۔ وہ اپنے بندوں کو مال، صحت اور وسائل دیتا ہے تاکہ وہ اس کے نمائندہ اور خلیفہ ہونے کی حیثیت میں ان وسائل کو انسانیت کی فلاح کے لیے امانت کے احساس کے ساتھ توازن واعتدال سے استعمال میں لائیں۔ اسلامی نظریہ حیات اس دنیا کو ایک تجربہ گاہ قرار دیتے ہوئے انسان کی محدود زندگی کا مقصد تعمیری، اصلاحی اور اخلاقی طرزِ عمل سے ایک طرف مثالی عادلانہ معاشرہ قائم کرنا قرار دیتا ہے جس میں ایک جانب انسان خوشی، لذت اور اطمینان پاتا ہے اور دوسری طرف اس دنیا میں اخلاقی طرزِعمل اختیار کرنے کے نتیجے میں وہ آنے والی ابدی زندگی میں انسان سے بہترین اجر اور انعامات سے نوازنے کا حقیقی اور سچا وعدہ فرماتا ہے۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو تصورِ حیات میں اختلاف کے باوجود ایسے اُمور میں جہاں انسانوں کا مجموعی مفاد ہو اسلام اور وہ تہذیبیں جو لذت، دولت اور فرد کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں انتہائی محدود اور مخصوص صورتوں ہی میں تعاون علی البرّ کرسکتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے وابستہ افراد کا یہ فریضہ بھی ہے کہ وہ اپنے تصورِ حیات کی وضاحت اور تعارف کے لیے دیگر تہذیبوں کے ساتھ تبادلۂ خیالات اور مکالمہ کا مناسب استعمال کریں تاکہ حق، عدل، اخوت اور عالمی انسانی برادری کے عالمگیر اصولوں پر تعاون کی فضا پیدا ہو سکے۔

مکالمہ کی دوسری سطح **تعلیم اور علمی تحقیق** ہے یعنی اسلام کے ماننے والے افراد اشاعت علم، تصورِ علم، علم کی مختلف شاخوں اور مناہج پر عبور حاصل کرنے کے بعد نتائج فکر کو انسانی برادری کے سامنے پیش کریں اور اس طرح اسلامی فکر عالمی سطح پر دیگر انسانوں کو غور و فکر اور اسلامی نظام حیات کی برکتوں سے متعارف کرا سکے۔ تاریخی طور پر مسلمان نہ صرف علوم اسلامی کے ماہر بنے، بلکہ طب، ریاضی، طبعیات، کیمیا اور دیگر علوم کے یورپ تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ اور آگے چل کر مسلم دنیا سے مغرب کی جانب علوم کی یہ منتقلی ایک علمی مکالمہ کی شکل میں یورپ کی ترقی کی بنیاد بنی اور یورپ بالخصوص علم کی استخراجی حکمتِ عملی (Deductive method) کی جگہ علم کی استقرائی حکمتِ عملی (Inductive method) سے آشنا ہُوا۔

مغرب کے ساتھ مکالمہ کی تیسری سطح **معیشت** کا میدان ہے۔ جہاں آج اس حقیقت کے باوجود کہ یورپ و امریکہ کے معاشی ادارے اور بین الاقوامی معاشی تنظیمات مثلاً WTO، World Bank اور IMF مغربی سامراجیت کے زیر سایہ ترقی پذیر اقوام کو معاشی محکوم بنانے میں مصروف ہیں دوسری جانب مغرب میں سرمایہ دارانہ معیشت اور سودی بنکاری کی ناکامی اب نوشتہ دیوار سے زیادہ ایک منہ بولتی حقیقت ہے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر اسلامی معیشت کے عادلانہ اصول، اخلاقی طرز عمل اور شراکت کی بنیاد پر تجارت کا فروغ ایسے اصول ہیں جو آج بھی علمی اور عملی مکالمہ کے ذریعہ مغرب کے سامنے پورے اعتماد اور فخر کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔

مغربی سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہو یا ہندو بنیے اور یہودی سودخواری کا نظام، ان نظاموں کا زوال ایک زیادہ ذمہ دار متبادل معاشی نظام کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ تاریخ کے اس نازک دور میں اسلام اور مغرب کا معاشی سطح پر مکالمہ اور اسلامی اصولوں کی اشاعت مغرب کے گرتے ہوئے معاشی نظام کو ایک نئی زندگی سے روشناس کرا سکتا ہے۔

اسلام اور مغرب کے مکالمہ کی ایک اور سطح ان **بنیادی اقدار** کے دوبارہ متعارف کرانے کا عمل ہے جو کچھ عرصہ قبل خود مغرب میں بھی قابل احترام سمجھی جاتی تھیں لیکن مادیت، انفرادیت اور لذتیت کی تثلیث پر ایمان و عمل نے ان اقدار کو متزلزل کر دیا ہے۔ ان اقدار میں نظام خاندان کا احیاء اور اسلامی خاندان کے تصور کا مغرب کے سامنے پیش کیا جانا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مغربی تہذیب ہی نہیں کسی بھی تہذیب کی بقاء اور احیاء اس کی آنے والی نسلوں پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر آنے والی نسلوں کو اخلاقی اقدار سے روشناس نہ کرایا جائے، ان کی تربیت گھر اور تعلیم گاہ میں نہ ہو، انہیں قربانی، ایثار، حق گوئی، عدل رواداری کی صفات گھر کے ماحول اور تعلیم گاہ میں نظر نہ آئیں تو اس تہذیب کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ مغرب اور اس کی نقالی میں بہت سی دیگر اقوام نے خاندان کے ادارہ کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے شادی دیر سے کرنے اور تنہا رہنے کے تصور کو اور ''انسانی حقوق'' کے نام پر حیوانی حقوق

سے بھی کم تر اس تصور کو سیاسی نعرے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے یک جنسی شادی کے تصور کو یورپ اور امریکہ میں قانونی تحفظ فراہم کر کے انسانی تہذیب کی مکمل طور پر تباہی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ روم اور یونان اپنے فلسفہ اور ادب کی ترقی کے باوجود اپنی اخلاقی بے راہ روی اور خاندان کے نظام کے تباہ ہونے کے بعد سنبھالا نہیں لے سکے تو مشینوں پر پلنے والی تہذیب اور ٹیکنالوجی پر فخر کرنے والی اقوام کب تک مشینی کل پرزوں کے سہارے تہذیب وثقافت کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا دے سکیں گی۔ اس مکالمہ میں اسلام مغرب کو بہت کچھ دے سکتا ہے اور عالمی انسانیت کی بقاء اور احیاء کے لیے صحت مند اور آزمودہ اقدار فراہم کر سکتا ہے۔

اسلام اور مغرب کے مکالمے کی ایک سطح **دہشت گردی، بربریت اور خودکش ذہنیت کے حوالہ سے وہ غلط العام ابلاغی اور دانشورانہ یلغار** ہے جس نے اسلام اور اسلامیان کو بہت سے مقامات پر ایک معذرت پسندانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ قرآن وسنت کی بنیاد پر جہاد اسلامی کی حقیقی صورت کو واضح کیا جائے کہ یہ ظلم واستحصال اور ناانصافی کو دور کرنے، امن، اخوت، محبت اور انسانیت کے فروغ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ اسلامی جہاد کے صحیح خدوخال کو واضح کیا جائے۔ اب سے تین چوتھائی صدی قبل مولانا محمد علی جوہر کی خواہش پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو تحریر اس حوالہ سے لکھی تھی (الجہاد فی الاسلام) جدید تناظر میں اسی معیار اور وزن کی علمی تحریر کے ذریعہ اس سطح پر مکالمے کی ضرورت ہے۔ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ابلاغ عامہ جس تکرار کے ساتھ بعض الزامات کو دہراتا رہا ہے حتیٰ کہ بہت سے صحیح الفکر افراد بھی اس مغالطہ میں آ چکے ہیں کہ اسلام شدت پسندی اور دہشت گردی کو گوارا کرتا ہے، اس پروپیگنڈے کا علمی سطح پر جواب دیا جائے اور مغرب کے دانشوروں اور ابلاغ عامہ کو اس معاملہ میں engage کیا جائے۔ یہ نہ صرف دو تہذیبوں کے باہم افہام وتفہیم کے لیے بلکہ خود دعوت اسلامی کے مستقبل کے لیے غیر معمولی اہمیت کا حامل موضوع ہے اور اس پر بلا کسی تاخیر کے علمی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

خواتین کے حوالہ سے مغرب اور مغرب زدہ مسلمانوں نے جن شبہات اور اعتراضات کو

بار بار دہرایا ہے ان پر بھی مکالمہ کی ضرورت ہے تا کہ ہر دو جانب سے engagement کے بعد اسلام کی صحیح تعلیمات کھل کر سامنے آسکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام مساوات مرد وزَن کو بنیادی انسانی خمیر (Constituent) کی سطح پر تسلیم کرتا ہے یعنی مرد اور عورت دونوں کا خالق اللہ ہے اور دونوں کو ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس اصولی موقف کے بعد اسلام ہر دو صنفوں کے حقوق و فرائض اور معاشرہ میں کردار کی روشنی میں عادلانہ بنیاد پر دائرہ کار کو متعین کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات مردوں کو اور اکثر اوقات عورتوں کو فضیلت دیتا ہے۔ لیکن غیر مسلم تہذیبوں کے اثرات جو صدیوں سے مسلم معاشرہ میں نفوذ کرتے رہے ہیں، ان کے سبب بہت سے ایسے رواج نہ صرف مسلم معاشرہ میں بلکہ عالمی طور پر دیگر معاشروں میں رائج ہو گئے جن کا کوئی رشتہ اسلام سے نہیں جوڑا جا سکتا۔ یہ قبائلی روایتی عصبیت اور نام نہاد مردانگی کے تصور پر مبنی رویے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ٹکراتے ہیں اور بعض اوقات مسلمانوں کا انہیں اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے بعض مسلمان اپنے پیدائشی اسلام کے باوجود غیر اخلاقی حرکات کا ارتکاب کرتے ہوں۔ کیا ان کے اس انحراف کو اسلام سے منسوب کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایک یورپی جو صرف اتوار کے دن چرچ جاتا ہو اور بقیہ تمام دنوں میں سخت بداخلاقیوں کا ارتکاب کرتا ہو، تشدد کو پسند کرتا ہو، اس کے اس عمل کی بنا پر ہم عیسائیت کو اس کی بے راہ روی کا ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں؟ لیکن جب انسانی ذہن ابلاغ عامہ کی زہر پھیلانے والی یلغار کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر عقل کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور وہ محض سنی سنائی بات پر یقین کر بیٹھتا ہے۔ مغرب کے ساتھ مکالمہ کا ایک اہم پہلو اسلام کے حوالے سے خواتین کے حقوق اور ان کا مقام فضیلت ہے جس پر غیر معمولی سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ علمی سطح پر کام کی ضرورت ہے۔

اسلام اور مغرب کے مکالمہ کے موضوعات اور کس کس سطح پر اس مکالمہ کو ہونا چاہیے، کے حوالہ سے ایک طویل فہرست پیش کی جا سکتی ہے لیکن ہمارا مقصود کوئی حتمی فہرست موضوعات پیش کرنا نہیں بلکہ صرف اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ٹکراؤ اور آویزش کی جگہ علمی اور فکری مکالمہ ایک ایسی

تعمیری کوشش ہے جسے ہمیشہ اولیت حاصل ہونی چاہیے۔ اگر صرف ان چھ بنیادی مباحث پر علمی اور سنجیدہ مکالمہ کو آگے بڑھایا جائے تو نہ صرف ان سے متعلق مغالطوں کو دور کیا جا سکتا ہے بلکہ اسلام اور مغرب کی آویزش میں کمی اور افہام وتفہیم کے ذریعہ اسلام کے عالمی پیغام کو متعارف کیا جا سکتا ہے۔

اس تناظر میں مغرب اور اسلام کے اس شمارے میں جو مقالات شامل کیے جا رہے ہیں یہ اس مکالمے کے لیے ایک قابلِ عمل بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ عالم اسلام کی بیداری، اسلامی معیشت، علمی تحقیق میں اسلامی منہج اور عالمگیر اخلاقی اصول وہ بنیاد فراہم کرتے ہیں جو نہ صرف اسلام بلکہ تمام انسانیت کے لیے رہنما اصول بن سکتے ہیں۔ یہ ایسے چار موضوعات ہیں جن میں باہمی ربط و تعلق پایا جاتا ہے جو اسلامی فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے اور مغربی مفکرین اور مغرب سے متاثر مفکرین کو دعوتِ فکر دیتے ہیں تاکہ باہمی تبادلۂ خیالات سے فاصلوں میں کمی ہو اور انسانیت، رواداری، عدل اور باہمی احترام کے اصولوں کو تقویت حاصل ہو۔

گذشتہ دس سال سے ہم مغربی فکر کے نمائندہ افراد کی منتخب تحریرات عصرِ حاضر کے تناظر میں اس مجلّہ میں وقتاً فوقتاً طبع کرتے رہے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ جس طرح ہمارے قارئین مغربی طرزِ فکر سے روشناس ہوتے رہے ہیں اسی طرح منتخب موضوعات پر جدید اسلامی فکر کے زاویے بھی ان کے سامنے آئیں۔ اس حوالہ سے ہم قارئین کی آراء، تنقید اور تجزیہ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔